تعلیم و تربیت　　ڈاکٹر محمد ارشد[۱]

ہماری یونیورسٹیوں میں زوالِ تحقیق

رمضان المبارک کی انتیسویں شب ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا اللہ کے حضور نالہ وفریاد

ادبیات عالم میں سیر افلاک کی روایت بہت معروف ہے۔خود مسلمانوں کے ادب میں متعدد تخیلاتی (ادبی) اور روحانی آسمانی سفر (سیر افلاک) کے نمونوں کا پتا چلتا ہے۔اس سلسلے میں عباسی عہد کے عربی کے فلسفی شاعر ابوالعلا المعری کے ''رسالۃ الغفران''، حکیم سنائی غزنوی کی مثنوی ''سیر العباد الی المعاد''، فریدالدین کی ''منطق الطیر''، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی ''فتوحات مکیہ'' بطور خاص قابل ذکر ہیں، جن میں جہان دیگر کی سیر وسیاحت کے احوال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال بھی عالم تخیل وتصور میں متعدد بار سیر افلاک کو گئے۔بانگِ درا میں ''سیرِ افلاک'' کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے، جس کا پہلا شعر یوں ہے ؎

تھا تخیل جو ہم سفر میرا
آسمان پر ہوا گزر میرا

جاوید نامہ میں تو علامہ کی سیرِ افلاک (یعنی فلک قمر، فلک عطارد، فلک زہرہ، فلک شمس، فلک مریخ، فلک مشتری، اور فلک زحل) کا بہت تفصیلی بیان ملتا ہے۔اقبال نے عالم تخیل میں سیر افلاک کی تو ہر فلک پر مشرق (ہند، اور فارس وعرب) یا مغرب کی کسی نہ کسی مذہبی اور عبقری شخصیت، فلسفی وحکیم یا مدبر ومفکر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔فلک عطارد پر اقبال نے جمال الدین افغانیؒ اور سعید حلیم پاشاؒ کی زیارت کی اور ان سے دنیائے اسلام کو درپیش تحدیات ومسائل پر تبادلہ خیال کیا۔اقبال نے اپنے اس تخیلاتی روحانی سفر (سیر وسیاحت) کے احوال کی روداد اپنے اشعار میں بیان کی۔اسی طرح عالم خواب ورؤیا میں سالکین راہ طریقت کا اس عالم فانی سے کوچ کر جانے والے نیک بندوں (اولیا وصلحا) کی زیارت سے مشرف ہونے کے تذکروں سے صوفیانہ ادب بھرا پڑا ہے۔

---

[۱] سابق صدر شعبہ دائرہ معارف اسلامی، جامعہ پنجاب، لاہور

راقم سطور کو ایک عرصے سے عالم اسلام کے ممتاز سیرت نگار اور اسلام کے قانون بین الممالک کے بلند مرتبت محقق و متخصص ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی شخصیت سے محبت وعقیدت اور ان کے علمی آثار سے والہانہ لگاؤ رہا ہے۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے تین سو کے لگ بھگ غیر مطبوعہ خطوط ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی سعادت بھی راقم سطور کے حصے میں آئی۔راقم ایک رات دیر تک ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مقالات کی فہرست (خود ان کے اپنے قلم سے مرتب کردہ) کے مطالعے میں مصروف رہا، اس دوران میں آنکھ لگ گئی اور عالم خواب میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔راقم نے ڈاکٹر صاحب کو مصلے پر کھڑے نہایت خضوع وخشوع کے عالم میں نماز ادا کرتے دیکھا۔نماز کے بعد انھوں نے ایک طول طویل دعا نہایت تضرع اور الحاح وزاری سے کی۔ ڈاکٹر صاحب نے بآواز بلند اپنے رب کے حضور نالہ وفریاد بھی کیا اور شکوہ بھی۔ان کا نالہ وفریاد اور شکوہ ایسے پاکستانی محققین سے متعلق تھا جن کے اسمائے گرامی کے ساتھ بقول ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری مرحوم ''پروفیسر ڈاکٹر'' کا ''دم چھلہ'' لگا ہوا ہے، لیکن ان کا حقیقی علمی دنیا سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ڈاکٹر صاحب کا نالہ وفریاد سن کر ایسے محسوس ہوا کہ وہ بعض پاکستانی فاضل محققین کے کرتوتوں سے حد درجہ آزردہ خاطر اور رنجیدہ ہیں۔اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم حینِ حیات پاکستانی محققین کی تحقیقی دست درازیوں کے بڑے شاکی رہے (مدیر تکبیر صلاح الدین مرحوم کے نام خط میں صریح لفظوں میں اس کا اظہار فرمایا، جبکہ متعدد دوسرے افراد کے نام اپنے بعض خطوط میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا)۔اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی ان کی روح کو ان ''فاضل محققین'' کی طرف سے آزار پہنچانے کا سامان تسلسل وتواتر سے کیا جاتا رہا ہے۔جس پر ان (ڈاکٹر محمد حمید اللہ) کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، اور انھوں نے رمضان کی انتیسویں شب رب العالمین کے حضور گڑگڑاتے ہوئے نہایت تضرع اور الحاح وزاری سے نالہ وفریاد بھی کیا اور شکوہ بھی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے رب کے حضور نالہ وفریاد میں مولانا الطاف حسین حالی کی مسدس (مسدّس مدّ وجزر اسلام) اور حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال کی مشہور نظم شکوہ کا اسلوب اور پیرایہ بیان اختیار کیا ہے۔مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید احمد خان کے ایما پر مسدس لکھی تو اس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح ونعت کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی پستی وزوال اور اس

کے اسباب ومحرکات کی بھی نشاندہی کردی۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے بھی اپنے نالہ وفریاد میں پاکستانی مسلمانوں کی علمی پستی اور انحطاط وزوال سے متعلق بہت سے تلخ حقائق بیان کرڈالے ہیں، جو اپنے اندر موعظت وعبرت کا سامان لیے ہوئے ہے۔ انھوں نے اپنے رب کے حضور جو نالہ وفریاد اور شکوہ کیا ہے، سطور ذیل میں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

''اللّٰھم یا رب العٰلمین، اے عالم الغیب! تو دلوں کے راز خوب جانتا ہے، میں نے تیری ہی عطا کردہ توفیق سے علم ودین کی جو کچھ خدمت کی ہے، میرے دل میں کبھی اس کی نمود ونمائش کا خیال نہیں آیا، نہ ہی میرے دل میں شہرت وناموری کی کوئی آرزو اور تمنا رہی۔ البتہ جب بھی میری کسی ناچیز تحریر کو تیرے لطف وکرم سے مقبولیت حاصل ہوئی، اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچا تو تیرے حضور سجدہ ریز ہو کر شکر بجا لایا۔ جب بھی میرے اعزہ واحباب یا شناساؤں اور قدردانوں میں سے کسی نے میری سوانح عمری مرتب کرنے کی خواہش کا مجھ سے اظہار کیا اور اس باب میں مجھ سے میری ذاتی زندگی اور مشاغل کے بارے میں معلومات چاہیں تو میں نے ہمیشہ عذرخواہی کی، بلکہ سختی سے ٹوک دیا۔ الٰہی! یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ میرے اس فانی دنیا سے اٹھ جانے کے بعد پاکستان میں ہر کس وناکس کسی اعلیٰ علمی مقصد سے نہیں بلکہ پست اغراض سے (محض کتاب سازی یا مقالہ بازی کے شوق میں) مجھ ناچیز کو تختۂ مشق بنانے پر تلا ہوا ہے۔ تصدیق وتوثیق اور تحقیق کی زحمت اٹھائے بغیر میری ذات اور میری ناچیز مساعی پر دھڑا دھڑ انٹ شنٹ، رطب ویابس، مقالے اور کتابیں لکھی اور چھاپی جارہی ہیں۔ کوئی اسلام کے قانون بین الممالک پر میری ناچیز تالیف ''دی مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ'' کو قبل از اسلام رومیوں کے قانونِ بین الممالک پر میرا تحقیقی کارنامہ قرار دے رہا ہے تو کوئی میری ایک دوسری تحریر ''انٹروڈکشن ٹو اسلام'' کو، جو میں نے نومسلموں کی اسلام کی بنیادی تعلیمات (کلمہ، وضو، نماز روزہ، اور اسلام کی اخلاقی، عائلی، سیاسی، سماجی اور معاشی تعلیمات) سے آگاہی کے لیے لکھی تھی، سیرت نبوی پر تالیف قرار دے رہا ہے۔

خدایا! میں نے تیرے دین کی جو بھی حقیر سی خدمت کی ہے، تیرے محبوب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات پر جو کچھ بھی تصنیف وتالیف کیا ہے، اس میں محض تیری رضا اور خوشنودی کی طلب میرے پیش نظر رہی ہے۔ چنانچہ نہ کبھی میں نے اپنی کسی تالیف پر کسی

ناشر سے کبھی رائلٹی کا تقاضا کیا نہ ہی میرے دل میں کسی طرح کی مادی منفعت کا خیال آیا۔ البتہ جب بھی مَیں نے یہ دیکھا کہ پاکستان میں میری تالیفات غلط سلط (متن میں گڑبڑ اور کتابت کی بےشمار اغلاط کے ساتھ) چھپ رہی ہیں یا ان کے غلط سلط ترجمے چھاپے جا رہے ہیں تو میں نے اس پر اپنی تشویش اور اضطراب سے ناشرین کو ضرور آگاہ کیا، مگر ہمیشہ سنی ان سنی کر دی گئی۔ بدقسمتی سے پاکستان میں میری تحریروں کی طباعت واشاعت کو ایک منفعت بخش کاروبار بنالیا گیا ہے، مگر اس میں کاروباری اخلاقیات، دیانت وامانت سب کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ کسی نے میری تحریروں کے غلط سلط ترجمے چھاپے ہیں تو ان میں سے میرے وقتاً فوقتاً لکھے ہوئے دیباچوں (جو میں نے تالیفات کی مختلف اشاعتوں، اشاعت اول، دوم، سوم وغیرہ کے لیے لکھے تھے، اور جن میں ان تالیفات میں وقتاً فوقتاً کیے گئے حک واضافے کی نشاندہی کی تھی) کو بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ رب العالمین! مَیں طمع و لالچ اور حرص و ہوس میں مبتلا ان مترجمین اور ناشرین کے ظلم وتعدی اور ان کی دست درازیوں سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔

الٰہی! کیا اسلام کے نام پر قائم ہونے والے پاکستان میں علمی دیانت وامانت کا جنازہ اٹھ چکا؟ یوں لگتا ہے کہ اس ملک میں دنیا پرستوں کے ہاتھوں ''ڈاکٹریٹ'' اور ''پروفیسری'' کا تقدس مجروح ہی نہیں بلکہ بری طرح سے پامال ہو چکا۔ اب اس ملک کی یونیورسٹیوں نے ''ڈاکٹریٹ یافتہ جاہل'' پیدا کرنے کے کارخانوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ مقالات کی نگرانی اور جانچ کے عمل میں دیانت وامانت اور حق وصداقت جیسے تصورات قصۂ پارینہ اور فرسودہ واز کاررفتہ چیزیں بن کر رہ گئی ہیں۔

الٰہی! کسی نگران مقالہ کی طرف سے کسی محقق طالب علم کو تحقیقی کام کی تکمیل پر سرٹیفکیٹ (تصدیق نامہ) دینے کا حقیقی مطلب تو یہ ہے کہ نگران نے صرف اسی ڈسپلن سے متعلق تحقیقی مقالے کی نگرانی قبول کی ہے جس پر اس کو پوری مہارت حاصل ہے، اور پوری دیانت وامانت سے نگرانی کا حق ادا کیا ہے، طالب علم کی درست طور پر رہنمائی کی ہے، اس کے مقالے کو پوری محنت وسعی سے پڑھا ہے، خامیوں کوتاہیوں کی درست طور پر نشاندہی کی ہے، زبان وبیان کے نقائص دور کرائے ہیں۔ پھر مقالے کی جانچ کے لیے ایسے ممتحنین کا انتخاب کیا گیا ہے جو واقعتاً اس میدان میں دسترس رکھتے ہیں، اس میں حلقہ احباب ذوق اور ہم مسلک ومشرب ہونے

کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ تحقیقی مقالے کی جانچ پرکھ کے لیے ممتحن کے تقرر میں دیانت وامانت اور حق وصداقت کی رعایت ناگزیر ہے۔ اسی طرح ممتحن کا دینی واخلاقی فرض ہے کہ وہ حق وسچ کا گواہ بنے، جاہل کو عالم قرار نہ دے، ناکامی کے مستحق کو محض فرقہ ومسلک کی رعایت کے شوق میں یا (فی مقالہ تین چار صد ڈالروں کی طمع اور لالچ میں) خواہ مخواہ کامیاب قرار دینے پر نہ تل جائے۔ وہ رپورٹ لکھنے میں عدل وقسط کے تقاضے پورے کرے۔ خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس اس کو دامن گیر رہے۔ آہ! بطور ممتحن فرائض انجام دینے والے بعض بھارتی احباب اور مغربی ممالک میں نام نہاد اسلامی مرکزوں کے کارپردازوں نے اس باب میں بڑا ظلم کیا ہے۔ ان عاقبت نااندیشوں نے ڈالر تو خوب کمائے ہیں مگر اپنی عاقبت خراب کرلی ہے، نرمی اور شفقت کے نام پر سکالرشپ کا قتل عام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔

الٰہی! تو خوب جانتا ہے کہ کسی زمانے میں پاکستان کی سرکاری یونیورسٹیوں کی طرف سے (ان دنوں پاکستان میں نجی جامعات کا تباہ کن سیلاب نہیں آیا تھا) مجھے پی ایچ ڈی کے مقالات جانچ کے لیے ارسال کیے جاتے رہے۔ مَیں پوری سعی وکوشش سے یہ وظیفہ سرانجام دیتا، ہر مقالے کا بالاستیعاب مطالعہ کرتا، اور محتویات ومندرجات اور ان کے مراجع ومصادر کی جانچ پڑتال کے بعد ایک مفصل رپورٹ مرتب کرتا، جس میں تسامحات اور لغزشوں، کوتاہیوں کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرتا، ذمہ داروں کو ان کی درستی کے لیے توجہ دلاتا، نااہلوں کے لیے ڈگری کی ہرگز طور پر سفارش نہ کرتا۔ میری نظر میں ڈاکٹریٹ کے مقالے پر رپورٹ دینا گویا کسی مقدمے میں شہادت اور گواہی دینا ہے۔

الٰہی! تو نے ہی اپنی کتاب قرآن حکیم میں اس بارے میں بار بار عدل وقسط سے کام لینے، حق وسچ اور قول سدید کہنے کی تلقین کی ہے۔ چنانچہ مَیں نے محض تیرے حکم کی تعمیل میں، تیری رضا اور خوشنودی کے لیے پی ایچ ڈی کے مقالات اور اگلے گریڈوں اور درجوں میں ترقی کے آرزومند یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے تحقیقی وتالیفی کام کی جانچ پرکھ اور اس کے بارے میں تحریری رپورٹ کو مطلق طور پر ’’شہادت‘‘ ہی سمجھا اور اپنے اسی اذعان کے موافق عمل کیا۔ پھر کیا ہوا کہ پاکستان (جو اسلام کا قلعہ ہے) میں اسلامیات اور عربی کی تعلیم وتدریس پر مامور لوگوں نے کبھی اپنی طاقت اور اثر ورسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے یونیورسٹی کے متعلقہ شعبہ

جات سے میری مرسلہ رپورٹوں کو غائب کرا دیا۔ اس کے بعد کسی من پسند رحم دل اور شفیق ''اسکالر'' سے جانچ کرا کے سائلین کے لیے ترقی اور بلندی درجات کا دروازہ (جسے صحیح تر معنوں میں چور دروزہ ہی کہا جانا چاہیے) کھول دیا گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے نااہلوں کو پروفیسری کی مسند پر بٹھا دیا گیا تا کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان یونیورسٹیوں سے علم وتحقیق کی بیخ کنی کا وظیفہ سرانجام دے سکیں۔

آج کل کے پروفیسروں کی بڑی اکثریت کی اہلیت وصلاحیت، لیاقت وقابلیت اور علمی استعداد کا عالم یہ ہے کہ ان کی ''علمی تخلیقات وتحقیقات'' کسی کتب خانے کی زینت بننے کے بجائے ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لائق ہیں۔ ان جید عالم فاضل پروفیسروں کی ایک بڑی تعداد بدقسمتی سے یونیورسٹیوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئی ہے اور اسلام کے قلعے پاکستان میں تاریکی کو پھیلانے، اور جہالت کو مستحکم اور لازوال بنیادوں پر استوار کرنے کے کام میں جت گئی ہے۔ ان کی مساعی بڑی تیزی سے برگ وبار لارہی ہیں اور ان کی برکت سے اعلیٰ علمی وتحقیقی ادارے خصوصاً نوزائیدہ یونیورسٹیاں علمی وتحقیق اعتبار سے یتیم خانے بن کررہ گئی ہیں''۔

ملت اسلامیہ پاکستان کی علمی وتحقیقی حالت پر غم وافسوس کی کیفیت میں نالہ وفریاد کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب پر گریہ طاری ہوگیا اور ان کی ہچکی بندگئی۔

کچھ دیر بعد میں نے جسارت کرتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ گزشتہ دو دہائیوں سے وطن عزیز کے پروفیسروں نے علمی وتحقیقی ترقی کے باب میں نہایت اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان پروفیسروں میں سے بطور خاص وہ اصحاب جن کی روحیں نہایت درجہ پاکیزہ اور سعید ہیں انھوں نے وطن عزیز میں خالصتاً لوجہ اللہ ''علم وتحقیق'' کے فروغ اور اسے نہایت ارفع واعلیٰ بلندیوں سے ہمکنار کرنے کی غرض سے علمی وتحقیقی تجارت اور کاروبار کی ایک نہایت درجہ انوکھی شکل متعارف کرائی ہے۔ انسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار ہوکر طالبین ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سہولت کے لیے بڑی تعداد میں ''مقالہ سازی'' کے کارخانے قائم کردیے ہیں اور ''مقالہ فروشی'' کی منڈیاں کھول دی ہیں، اور اس غرض سے بڑی تعداد میں اصلی ونسلی ''تحقیقی مجلّات'' جاری کیے ہیں۔ علمی دنیا پر ان پروفیسروں کا یہ احسان کیا کم ہے کہ

انھوں نے ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے''منڈیوں کے تازہ ترین بھاؤ'' کی پیروی میں ''مقالوں'' کے نرخ (مثلاً قلم وقرطاس اور کتاب کو مطلق طور پر منہ لگائے بغیر کسی ایک مقالے کے مصنف اول کا درجہ پانے کا نرخ ۶۵,۰۰۰، مصنف دوم کا درجہ پانے کے لیے ۵۰,۰۰۰، مصنف سوم کے لیے ۳۵,۰۰۰، چہارم کے لیے ۳۰,۰۰۰، پنجم کے لیے ۲۵,۰۰۰ اور ششم کے لیے ۱۸,۰۰۰ روپے) بھی طے کر دیے ہیں۔ اس قبیح وشنیع دھندے میں ملوث کئی ''پاکباز اور سعید روحیں'' یوٹیوب چینلوں پر قوم کو دن رات دین کی دعوت، روحانیت واخلاق، تقویٰ وورع اور تزکیۂ نفس کی تعلیم دینے میں مصروف ومشغول نظر آتی ہیں۔ اسلام ان عاقبت نااندیشوں کے لیے کمائی کا ایک ذریعہ اور نفع بخش کاروبار بن کر رہ گیا ہے۔

اس پر ڈاکٹر حمیداللہ نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا: ''اس طرح کے افراد استاذ اور پروفیسر نہیں بلکہ شاطر اور چالباز سوداگر کہلائے جانے کے مستحق ہیں جو نئی نسل کی تعلیم وتربیت کی بجائے اسے ذہنی وفکری اور علمی طور پر اپاہج بلکہ ''صم بکم و عمي ''بنانے میں مشغول ہیں۔ ان علمی وتحقیقی سوداگروں کی قبیح وشنیع کارگزاریاں پاکستان میں علم وتحقیق کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے مترادف ہیں۔ ان نادان دنیا پرست پروفیسروں ڈاکٹروں کا یہ طرزِ عمل سعی وعمل کا جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کو مطلق طور پر مغربی سکالرشپ کا محتاج بنا دے گا، اس پاکستانی سکالرشپ پر سے اس کا اعتماد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اٹھ جائے گا''۔

کچھ دیر توقف کے بعد راقم نے عرض کیا کہ آنجناب پاکستانی اکیڈیمیشینز کے نام کیا پیغام دیں گے؟ فرمانے لگے ''قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ کے تعلیم کردہ اصولوں: امانت، دیانت، صداقت، عدالت اور سعی وعمل کی سچے دل سے پیروی، اس کے علاوہ کوئی راہ نجات اور فوز وفلاح نہیں۔ مسلمان سائنس، ٹیکنالوجی، اقتصادی اور جنگی وعسکری قوت میں مغرب سے اس قدر پیچھے ہیں کہ وہ اس کا مقابلہ تو درکنار اس کے شر سے بچنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔ مسلمان صرف اور صرف اپنے دین وعقیدے سے غیر متزلزل وابستگی، اچھے اخلاق، صالح عمال اور امانت دیانت، صداقت وعدالت جیسے قرآنی اصول (سچائی، امانت اور دیانت رسول کریم ﷺ کی تین بڑی سنتیں ہیں) پر سختی سے کاربند ہوکر اور حکمت وبصیرت سے کام لے کر ہی سیاسیاتِ عالم اور دنیائے علم وتحقیق میں عزت وآبرو کی زندگی بسر کر

سکتے ہیں۔مگر کیا کیا جائے کہ پاکستانی ’’پروفیسر ڈاکٹر سوداگروں‘‘ کی نظر میں بے لگام حرص وہوس، طمع ولالچ اور بددیانتی، مکر وفریب، دھوکہ اور بدعہدی پر مبنی نت نئے حیلوں کے اختیار کرنے ہی میں فوز وفلاح اور کامیابی وکامرانی اور ترقی وسربلندی کا راز مضمر ہے۔حقیقت میں یہ عزت کا نہیں ذلت کا، بقا کا نہیں فنا اور ہلاکت وبربادی کی راہ کا انتخاب ہے‘‘۔ پروفیسر ڈاکٹر نما سوداگروں کی بداعمالیوں کے اثرات ونتائج پر اظہار تاسف کرتے کرتے ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی آواز بھرا گئی اور وہ یکا یک قبلہ رخ ہوکر نہایت درجہ خضوع اور انہماک سے اپنے رب کے حضور دعا اور مناجات میں مشغول ہوگئے۔ان کی زبان سے کچھ اس طرح کے الفاظ نکلے:

’’الٰہی! تیرے حضور شکوہ کناں ہوں کہ عاقبت نااندیش دنیا پرستوں کی نادانیوں اور حماقتوں کی وجہ سے پاکستان میں اسکالرشپ فنا کے گھاٹ اتر کر کالمعدوم ہوگئی ہے۔آج اسلام کو اصل خطرہ یہود ونصاریٰ اور معاند مستشرقین سے نہیں بلکہ ان نیم خواندہ بلکہ جاہل ڈاکٹروں اور پروفیسروں سے ہے۔میری نظر میں تو پاکستانی جامعات کی تحقیقی ڈگریوں کی حیثیت ہی مشکوک ہوکر رہ گئی ہے۔آہ! اس سے بڑھ کر بدقسمتی کی بات کیا ہوسکتی ہے کہ آج اسلامیات اور عربی زبان وادب کے کسی بھی پہلو سے کسی اچھے اور معیاری تحقیقی کام کا کوئی نمونہ دیکھنا ہو تو وہ پاکستان میں نہیں بلکہ یہود ونصاری ہی کے ممالک کی جامعات میں مل سکتا ہے۔ایک اچھے اور معیاری تحقیقی کام کے لیے جس سعی وکاوش اور پتا ماری کی ضرورت ہے پاکستان میں وہ جنس نایاب ہو چکی۔جب کسی قوم، خاص طور پر اسلام کے نام لیواؤں کے ہاں سے دیانت وامانت اور حق و صداقت کا جنازہ اٹھ جائے تو اس کا انجام اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے‘‘۔

الٰہی! تو خوب جانتا ہے، پاکستان وہند سے مجھے بہت سے کرمفرماؤں کی طرف سے رسائل وکتب بطور ہدیہ ارسال کیے جاتے رہے۔میں نے ہمیشہ اپنا کثیر وقت صَرف کر کے ان کا مطالعہ کیا اور ان میں تسامحات اور لغزشوں سے اپنے ان کرمفرماوں کو آگاہ کرنے کا اہتمام کیا۔مَیں نے بارہا اپنے کرمفرماؤں سے عذر خواہی کی کہ مجھے بنا طلب کیے اس طرح کی چیزیں نہ بھیجی جائیں اور اس زحمت سے مجھے معاف رکھا جائے لیکن لوگوں نے ہمیشہ سنی ان سنی کردی۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اکثر وپیشتر میرا قیمتی وقت ان لایعنی اور مہمل چیزوں کے پڑھنے اور تحریری طور پر ان کے تسامحات اور لغزشوں کی نشاندہی کرنے میں ضائع ہوتا رہا بلکہ میری معمولی سی

آمدنی (مجھے ایک پناہ گزین کے طور پر حکومت فرانس کی طرف سے دیے جانے والے سرکاری الاؤنس) کا کثیر حصہ ڈاک کی ٹکٹوں پر خرچ ہوتا رہا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حق گوئی کی پاداش میں خواہ مخواہ لوگوں کی ناراضی بھی مول لینا پڑی۔ بعض نادانوں بلکہ کم ظرفوں کے دلوں میں میرے بارے میں کینے اور بغض نے مستقل طور پر جگہ پالی۔ اردو کے ایک ادیبِ شہیر کو انگریزی زبان میں ترجمہ وتفسیر قرآن کا سودا سمایا، تو اس کا ایک پارہ ملاحظے اور رائے کے لیے مجھ ناچیز کو بھی بھیجا گیا۔ میں نے اچھا خاصا وقت صَرف کر کے اپنی استعداد اور سمجھ بوجھ کے مطابق اس میں موجود لغزشوں اور تسامحات کی نشاندہی کی تو وہ صاحبِ ترجمہ وتفسیر میری عداوت پر اتر آئے، اور میری تحقیر و تنقیص کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ لیکن میں نے اپنے ان نادان کرم فرماؤں کی طرف سے روا رکھے گئے ’’حسنِ سلوک‘‘ کے بارے میں ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا۔

یا رب العلمین! میں تیرے جملہ اسمائے حسنہ اور تیرے محبوب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیرے حضور فریاد کرتا ہوں کہ تو مجھے پاکستانی ستمگر ظالم محققین و مولفین، خصوصاً پاکستان کی سرکاری یونیورسٹیوں کے پروفیسروں ڈاکٹروں، کی تحقیقی دست درازیوں اور ظلم و تعدی سے بچا لے۔ اے اللہ! یہ ستمگر محققین غایت درجہ جہل اور نادانی کے سبب کبھی بزرگ مصنف و مولف بننے کے شوق میں اور کبھی ’’تحقیق وتخریج‘‘ کے نام پر میری متفرق تحریروں کے مجموعے، ترتیب وتدوین کے آداب ومراسم سے بے نیاز ہو کر نہایت بے ڈھنگے طریقے سے مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ کبھی اعلیٰ تحقیقی ڈگریوں (ایم فل، پی ایچ ڈی) کی حرص وطمع میں، کبھی اگلے گریڈوں میں ترقی کے لیے کبھی محض مقالہ بازی کے شوق میں اپنے ’’منحوس تحقیقی مقالات‘‘ اور ’’تالیفات کثیفات‘‘ [تالیف لطیف کا متضاد تالیف کثیف جو ہوا] میں میری طرف ایسی ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو مَیں نے سرے سے اپنی ناچیز تالیفات میں بیان ہی نہیں کی ہیں، یا میری تحریروں کو سمجھے بغیر ان کا نہایت درجہ مسخ شدہ مفہوم ومطلب اپنے لفظوں میں کچھ اس پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ بات کا بتنگڑ بن کر رہ جاتا ہے۔ اے اللہ یہ ظالم ستمگر محققین نہ صرف یہ کہ تحقیقی آداب ومراسم سے عاری ہیں بلکہ کوئی سی زبان (غیر ملکی زبانیں تو کجا اپنی قومی زبان اردو) بھی درست طور پر لکھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ اور تو اور یہ محققین میری اردو تحریروں کو بھی ٹھیک طور پر سمجھنے سے معذور ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۱۲)

لیے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا۔آسمانِ دلی کے مہر وماہ اور تارے شاہ عبدالرحیمؒ سے لے کر شاہ اسماعیلؒ تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا اور اس سے ان کے علمی وروحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ وہ علوم کی تدریس ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیوض وبرکات کے جو حامل ہوئے جن کی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ ﴿سِيمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾ ان سے دنیا کو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت وتبلیغ اور قلوب ونفوس کے تزکیہ وتصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کے اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے، اور آئندہ بھی سنن الٰہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن سے مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی۔

آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے، رات کے راہب ہی اسلام میں دین کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں۔سوانح وتراجم کا چودہ سو سالہ دفتر اس دعوے کا شاہد ہے، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں، خواہ وہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو، مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔[۱]

بقیہ: ہماری یونیورسٹیوں میں زوالِ تحقیق

اے رب العالمین! اس زمرۂ محققین میں سے ہر ہر فرد کو ان کی مقالہ بازی کے صلے میں بے شک کسی یونیورسٹی کی فیکلٹی کا ڈین اور اس سے بھی بڑھ کر وائس چانسلر بنا دے، انھیں ان کی بے پایاں علمی وتحقیقی خدمات کے صلے میں نوبل انعام دلا دے مگر مجھے ان کے تحقیقی شرور وفتن اور ان کے مظالم سے بچا لے:

اللّٰھم انی اجعلك فی نحورھم و اعوذبك من شرورھم۔ اللّٰھم اکفنی شرھم بما شئت و کیف شئت۔

اے رب العالمین میری فریاد، میری دعا کو قبول فرما، آمین۔

---

[۱] سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' کے پیش لفظ سے مقتبس